© rasailojaraid.com

۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

ملک میں جب کبھی فسادات بڑے پیمانہ پر ہوتے ہیں مسلمانوں میں عام طور پر یہ بحث شروع ہو جاتی ہے کہ اِن فسادات کا باعث اور ان کے اسباب کیا ہیں؟ اور نیز یہ کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ چنانچہ یہ بحث اس مرتبہ بھی شروع ہوئی اور ہر ایک نے اپنے اندازِ فکر، مزاج اور طبیعت کے مطابق ان سوالات پر اظہارِ خیال فرمایا۔ بعض حضرات نے جو ہمیشہ تصویر کا ایک رُخ دیکھتے ہیں کہا کہ مسلمان الگ تھلگ زندگی بسر کرتے ہیں، اگر وہ اکثریت کے ساتھ گھل مل کر رہیں تو ان کو اکثریت کا اعتماد حاصل ہوگا اور ان فسادات کا سدباب ہو جائے گا اس کے برخلاف بعض حضرات کا ارشاد ہوا کہ مسلمان اللہ اور اُس کے رسولؐ کے احکام پر نہیں چل رہے ہیں اُن میں بنی اسرائیل کی سی خصوصیات اور عادات پیدا ہو گئی ہیں، اس بنا پر انہیں قدرت ان کی بدعملیوں کی سزا دے رہی ہے اُن کے موجودہ مصائب اور پریشانیوں کا علاج یہی ہے کہ وہ فکر و عمل کے اعتبار سے پکّے اور سچّے مسلمان بنیں، اس سے بحث نہیں کہ یہ دونوں باتیں درست ہیں یا نہیں؟ اور اگر درست ہیں بھی تو کس حد تک؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت اِن باتوں کے ذکر کا اور وہ بھی ناصحانہ طنز و تشنیع کے ساتھ، موقع کیا ہے؟ ایک شخص جلتی آگ میں گر پڑا ہے، چاہے وہ جان بوجھ کر خود گرا ہو، غفلت اور نادانی سے گرا ہو یا کسی کمبخت نے دھکا دے کر گرا دیا ہو اور آپ اس کی مدد کرنے کے بجائے اُس پر وعظ فرما رہے ہیں تو اسے کہاں تک قرینِ عقل و انصاف کہا جا سکتا ہے! علاوہ ازیں ان حضرات میں اور جو لوگ کہ ان فسادات کو مشرقی بنگال کے واقعات کا ردِعمل کہتے ہیں، اُن میں فرق کیا رہ جاتا ہے؟ بلکہ درحقیقت ان واعظانِ کرام کا پلّہ کچھ بھاری ہی رہتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں کہ دوسرے گروہ نے ہند کے فسادات کو مشرقی بنگال کے واقعات کا قدرتی ردِعمل کہہ کر ان کی شدتِ شناعت وقباحت کو کم ضرور کیا اور ان کے لئے ایک گونہ وجہِ جواز پیدا کی لیکن ستم رسیدگانِ فسادات کی بے گناہی اور بے قصوری کو بہر حال تسلیم کیا، اس کے برخلاف ان واعظینِ قوم کے ارشادات کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ مسلمان خود مجرم تھے، گنہگار تھے، احکامِ خداوندی سے باغی اور سرکش تھے اس لئے ان کو لامحالہ سزا ملنی ہی تھی! پس جب یہ بات ہے تو اب شکوہ شکایت کس سے اور کیوں؟ ایک شخص اگر ایک قاتل کی گردن اڑا دیتا ہے تو وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا مجرم سہی! لیکن اپنے مقتول کے ساتھ اس نے بہر حال ناانصافی نہیں کی! اور اس نے اس کو ہی قتل کیا ہے، جو خود اس جرم کا مرتکب ہونے کے باعث قانون کی نظر میں مباح الدم تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم کے یہی وہ چارہ گرانِ دردِ بیکسی ہیں جن پر غالب کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

کیا غم خوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو ؛ نہ لائے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو؟

غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں! اور ہر بات صحیح معنی میں "ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد" کا مصداق! لیکن انتشارِ خیال اور پراگندگیِ فکر ونظر کے انہیں مظاہروں میں "ندائے ملت لکھنؤ" کی گذشتہ دو اشاعتوں (۱۷ و ۲۴ اپریل) میں مشہور قومی کارکن اور دینی تعلیمی کونسل کے جنرل سکریٹری قاضی محمد عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ کا "فسادات" کے زیرِ عنوان جو مقالہ چھپا ہے وہ ہمارے نزدیک ان سب مقالات سے بدرجہا بہتر، جامع اور پرمغز ہے جواب تک اس سلسلہ میں مختلف اخبارات ورسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، یہ مقالہ صاف دماغی، بلاغتِ فکر ونظر اور حقیقت نگری کا شاہکار ہے، ضرورت ہے کہ اردو زبان کے علاوہ انگریزی اور ہندی میں بھی اس کا ترجمہ کرا کے لاکھوں کی تعداد میں حکومت، اکثریت اور اقلیت کے افراد میں اسے تقسیم کیا جائے، اور یہی نہیں بلکہ قاضی صاحب نے اس میں جن امور سے بحث کی ہے ان میں سے ایک ایک امر کو خود قاضی صاحب یا دوسرے حضرات مزید وضاحت وتکرار کے ساتھ لکھیں۔

فسادات کے سلسلہ میں چار چیزیں معرضِ بحث میں آتی ہیں، پاکستان، حکومتِ ہند، اکثریت اور مسلمان!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی صاحب نے ان میں سے ہر ایک پر اس عمدگی اور خوبی سے گفتگو کی ہے کہ اصل حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے، لیکن کوئی تشخیص کتنی ہی درست اور صحیح ہو اور کوئی نسخہ کیسا ہی تیر بہدف اور مؤثر ہو جب تک اس پر عمل نہیں کیا جاتا اس کی افادیت ظاہر نہیں ہو سکتی، ہر فساد کے موقع پر مسلمان ریلیف اور آبادکاری کا جو سارا بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں قاضی صاحب نے اس کی سخت مخالفت کی ہے اور بالکل بجا کی ہے، ضرورت ہے کہ قاضی صاحب جیسے صاف دماغ کے ہندو اور مسلمان، سکھ اور عیسائی سب مل کر ایک آل انڈیا ادارہ صرف ملک میں قومی یکجہتی پیدا کرنے کے لئے بنائیں اور ملک گیر پیمانہ پر جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم کر کے اُن خطوط پر کام کریں جو قاضی صاحب نے اپنے مقالہ میں بیان کئے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہندو اکثریت غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر یہاں کے مسلمان کو اس ملک کا ایسا ہی شہری کیوں نہیں سمجھتی جیسا کہ وہ خود اپنے آپ کو سمجھتی ہے؟ اس کے وجوہ جو ہیں اُن کا تعلق جس طرح اکثریت کے ساتھ ہے خود اقلیت کے ساتھ بھی ہے، اور ضرورت دونوں کے ہی ذہن کو صاف کرنے کی ہے یہ کام اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اکثریت اور اقلیت کے روشن دماغ اربابِ فکر ونظر اس معاملہ کی اہمیت و نزاکت کو پورے طور پر محسوس کریں اور اس کو سرانجام دینے کے لئے میدانِ عمل میں آئیں، مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے وہ کوئی ایک الگ اور انفرادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ پورے کل کا ایک جزء ہے۔ سماج کے جسم میں جو مادۂ فاسد بھرا ہوا ہے اُس کا ظہور مختلف شکلوں اور صورتوں میں آئے دن ہوتا رہتا ہے، انہی میں سے ایک شکل یہ فسادات ہیں! جب تک سماج کے جسم کا آپریشن کر کے اس مادۂ فاسد کو خارج نہیں کر دیا جائیگا فسادات کے ختم ہو جانے کی توقع امیدِ موہوم سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اس لئے حکومت، اکثریت اور اقلیت تینوں کو ہی مل جل کر سماج کی یہ اصلاح کرنی ہے اور اس لئے سخت ضروری ہے کہ جنگِ آزادی کی مہم جس قوت اور وسعت کے ساتھ چلائی گئی تھی اُسی قوت اور وسعت کے ساتھ یہ مہم مشترکہ کوششوں کے ذریعہ چلائی جائے، معاشرہ کا مزاج اور اس کا ذہن بچّوں جیسا ہوتا ہے، جس طرح بچّہ گھڑی میں خوش اور گھڑی میں ناراض، ابھی خنداں اور ابھی گریاں ہو جاتا ہے اسی طرح پورا معاشرہ کسی معمولی سے تاثر سے کبھی نرم خو اور رحم دل بن جاتا ہے اور کبھی سفاک و خونخوار کا رُوپ دھار لیتا ہے، اس بنا پر سماج سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، بس ضرورت ہے مخلص، ایماندار اور جفاکش کارکنوں کی! " ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی "

© rasailojaraid.com